علی محسن صدیقی

عرب قبلِ اسلام کے سیاسی حالات

گذشتہ سے پیوستہ

اس شہری ریاست کا ایوان حکومت دارالندوہ تھا۔ قریش اسی میں بیٹھ کر باہمی مشورے سے ہر قسم کے اجتماعی، تجارتی، عدالتی اور سیاسی معاملات کے فیصلے کرتے تھے۔ اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب کھلتا تھا۔ قریش اعلان جنگ کرتے تو علم جنگ یہیں بلند کیا جاتا تھا، تجارت کے قافلے روانگی سے پہلے یہیں آتے تھے اور جب واپس آتے تو یہاں حاضری دے کر اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ دارالندوہ کی رکنیت کی عمر چالیس سال تھی۔ صرف قصیٔ کے بیٹے اس سے مستثنیٰ تھے۔[۴۱]

قریش کے مختلف بطون مکہ کے مختلف محلوں میں آباد تھے، ہر محلے کی ایک الگ مجلس محلہ ہوتی تھی جسے النادی کہتے تھے[۴۲]۔ قریش ہر سال اپنے مال میں سے ایک رقم نکال کر علیحدہ کر دیتے تھے جس سے ایام حج میں مکہ اور منیٰ کے مقامات پر حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اس محصول کو رفادہ کہتے تھے[۴۳]۔ اسی طرح سے ایک جماعت اس بات پر مقرر تھی کہ خانہ کعبہ میں شور و غل اور گالی یا جھگڑا نہ کیا جائے اور ایسا کرنے والوں کو یہ جماعت سزا دیتی تھی۔

---

[۴۱] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ۱ : ۲۲۸ و ۳۱

[۴۲] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ۱ : ۳۹

[۴۳] الطبقات الکبریٰ : ۶۶-۷۳۔

قریش کی اس شہری ریاست اور اس ہیئت ترکیبی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک منظم اور باقاعدہ نظام قائم کیا تھا جو زندگی کے تمام امور پر محیط تھا۔ سیاسی، جنگی، عدالتی مذہبی اور اجتماعی امور مشورہ باہمی سے انجام پاتے تھے اور قریش تمدن کے لحاظ سے اس عہد کی دوسری قوموں سے پیچھے نہ تھے۔

عرب قبل اسلام کے معاشی حالات

کسی ملک کے جغرافیائی محل وقوع، آب وہوا اور سیاسی حالات اس کے باشندوں کی معیشت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں صفحات گذشتہ میں عرب قبل الاسلام کے جغرافیائی اور سیاسی حالات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کی روشنی میں عربوں کی معاشی حالت کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں۔

عرب کے جنوبی حصے جہاں فطرت نسبتاً مہربان تھی اور جہاں زندگی کی سہولتیں کسی قدر میسر تھیں۔ وہاں متمدن حکومتیں قائم ہوئیں اور معیشت کے وسائل مثلاً تجارت وزراعت کو فروغ ہوا۔

تجارت: جنوبی عرب کے تاجروں نے بحری تجارت میں خاصی ترقی کی اور دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے تعلقات قائم ہوئے۔ یہ تاجر اپنے ملک کی پیداوار میں بخورات (خوشبودار مصالحے) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ بیرون ملک لے جاتے اور وہاں سے ان ملکوں کی پیداوار اپنے ملک میں لاتے تھے۔ عرب تاجروں کے تجارتی کاروان زمانہ قدیم سے مصر، شام، روم، عراق وایران کے خشکی کے سفر کرتے اسی طرح افریقہ وجنوبی ہند سے ہوتے ہوئے چین کے ساحلوں تک ان کے سمندری بیڑے جاتے تھے۔ جنوبی ہند سے عرب تاجر جو سامان لاتے ان میں تلواروں کے علاوہ جو سارے عرب میں اپنی خوبی کے لئے مشہور تھیں۔ اور السیف المہند (ہندی تلوار) کے نام سے موسوم تھیں۔ ادویہ خوشبو اور مصالحے شامل تھے۔ ان کے نام آج بھی عربی زبان میں محفوظ ہیں اور قدیم تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً قرنفل (کننک، پھل یا کرن پھول) لونگ، اطریفل (تری پھل) فلفل (پپلی) سیاہ مرچ، کافور (کپور) صندل (چندن) وغیرہ اور بعض ایسی اشیاء جن کے نام میں ہند کی نسبت ان کے ہندی الاصل ہونے کی جانب اشارہ کرتی ہے مثلاً عود ہندی (اگر) قسط ہندی (کٹ یا کٹھ) تمر ہندی (املی) وغیرہ ہیں۔[۴۳]

(۴۳) سید سلیمان ندوی، لغات جدیدہ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء و ارض القرآن ۲ : ۱۳۰۔

عرب میں تجارت کے فروغ میں ان میلوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جو ایک مربوط نظام کے تحت تھوڑے تھوڑے وقفوں سے پورے ملک میں لگتے تھے۔ امام مرزوقی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ملکی تاجروں کی بھاری کھیپ ہر سال عرب کے میلوں میں شرکت کرتی، اپنے اپنے ملک کا سامان لاتی اور یہاں اپنے کا مال اپنے وطن لے جاتی تھی۔ مرزوقی کے بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عرب میں تیرہ بڑے بڑے مقامات پر میلے لگتے تھے جن کا سلسلہ سرحد شام پر واقع دومۃ الجندل سے شروع ہو کر عرب کے جنوبی سرے عدن تک پہنچتا تھا۔ ان بازاروں میں عراق و شام، افریقہ، ہندوستان اور چین کا مال آتا تھا اور یہاں سے عرب کے بخورات، چمڑے کی مصنوعات اور چاندی ان ملکوں کو جاتی تھی۔ یہاں عام تاجروں ہی کا نہیں بلکہ عرب کے امراء کا مال تجارت بھی بکنے کے لئے آتا تھا۔ ۴۵۔

حجاز میں آباد قبیلۂ قریش کی معاش کا دارومدار تجارت پر ہی تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے شام، روم، عراق، یمن اور حبشہ تک جاتے تھے۔ عبد مناف کے بیٹوں نے اس نظام کو نہایت مربوط بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ چنانچہ ہاشم نے ملوک شام (رومیوں اور غسانیوں) سے، عبد شمس نے نجاشیٔ اکبر (بادشاہ حبشہ) سے، مطلب نے بنو حمیر (شاہان یمن) سے اور نوفل نے کسریٰ (شہنشاہ ایران) سے عراق و فارس میں تجارت کے پروانے حاصل کئے۔ خود ہاشم نے قریش کے کاروان تجارت کے لئے موسم گرما و موسم سرما میں سفروں کی تعیین کی۔ چنانچہ ان کا ایک قافلہ سردیوں میں یمن و حبشہ جاتا تھا اور موسم سرما میں دوسرا قافلہ شام وغزہ کا سفر کرتا تھا۔ یہ قافلہ کبھی کبھی انقرہ تک پہنچ جاتا تھا۔ ۴۶۔

قریش کے انہیں تجارتی کاروانوں کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ قریش میں کیا گیا ہے۔ قریش کے کاروبار تجارت میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں اور اپنے کارندوں کے ذریعہ اسباب تجارت باہر بھیجتی تھیں۔ قریش کی تجارت اندرون عرب میں تھی وہ سامان لے کر مختلف قبائل میں جاتے اور مقامی ضروریات پوری کرتے اور نفع کماتے تھے۔ قریش جن چیزوں کی تجارت کرتے تھے ان میں چمڑے کی مصنوعات اور چاندی کی بنی ہوئی چیزوں کے علاوہ غلام اور باندیاں بھی ہوتی تھیں اور کپڑا وغیرہ بھی۔ ۴۷۔

۴۵ الازمنہ والامکنہ ۲: ۱۶۱ - ۱۶۸، الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۲۶ و ۱۲۷۔

۴۶ تاریخ الرسل والملوک ۲: ۲۵۲، والطبقات الکبریٰ ۱: ۴۳، ۷۵۔

۴۷ القرآن سورۂ قریش پارہ تیس، وارض القرآن ۲: ۱۳۶، ۱۳۸۔

ایک ایسے ملک میں جہاں کوئی مرکزی نظام حکومت نہ تھا۔ اور قبائلی لاقانونیت کو ہی ملک کا سب سے مؤثر قانون سمجھتے تھے، تجارتی کاروانوں کا ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا اور ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک بحفاظت آنا جانا، سب سے پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اسے حل کرنے کی غرض سے یہ طے کیا گیا تھا کہ سال کے چار مہینوں میں کشت و خون حرام قرار دیا گیا اور انہیں اشہر حرم (یعنی حرام مہینوں) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں امن و سکون کے ساتھ سامان اور اشخاص نقل و حرکت کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ مختلف مقامات پر جو جمعہ بازار لگتے اور وہاں تاجر آتے وہ قرب و جوار کے طاقت ور عرب قبیلے کی حفاظت میں ہوتے تھے۔ وہ اس حفاظت کے عوض اور نیز ایک جگہ سے دوسری جگہ تک سامان پہنچانے کی کچھ اجرت بھی لیتے تھے جسے خفارہ کہتے تھے۔ ۴۸۔

زراعت : عرب کے وہ خطے جہاں بارش ہوتی تھی یا آب پاشی کے لئے جہاں بند یا کنویں موجود تھے۔ وہاں زراعت ہوتی تھی۔ یمن میں پہاڑوں کے درمیان بند باندھ کر پانی کا ذخیرہ کرلیا جاتا تھا۔ اور پھر اسے آب پاشی کے لئے کام میں لایا جاتا تھا۔ یمن کے ان بندوں میں اس بند سے جو مآرب کے مقام پر باندھا گیا اور سد مآرب یا عرم مآرب کے نام سے موسوم ہوا۔ عرب جاہلیہ کی سینکڑوں داستانیں وابستہ ہیں۔ اس بند کے ذریعہ ابلق نامی دو پہاڑوں کے بیچ میں۔ ۱۵ فٹ لانبی اور ۵ فٹ چوڑی دیوار بنا کر وادیٔ اُذینہ میں بارش کا پانی جمع کرلیا جاتا تھا۔ اس بند کی دیواروں میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جنھیں حسب ضرورت کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔ مآرب کے بند کی وجہ سے یمن میں زراعت کو کافی فروغ ہوا۔ اور باغوں کے لیسے سلسلے قائم ہوگئے جن سے پورا علاقہ بہشت زار بن گیا قرآن میں سبا کی اس "جنت" کا تذکرہ موجود ہے۔ ۴۹۔

یمن میں گیہوں کی کاشت ہوتی تھی۔ یمامہ، نجد، یثرب اور خیبر وغیرہ میں بھی کھیتی باڑی کی جاتی تھی۔ خصوصاً یمامہ کا علاقہ وافر مقدار میں غلہ پیدا کرتا تھا۔ اور اہل مکہ کو یہیں سے غذائی اجناس مہیا ہوتی تھیں۔ نخلستانوں میں بھی گیہوں بویا جاتا تھا۔ اسی طرح گھوڑوں کو کھلانے کے لئے جو کی بھی کاشت ہوتی تھی۔ کہیں کہیں جوار اور باجرہ بھی بویا جاتا تھا۔ عمان اور الحساء میں چاول پیدا ہوتا تھا جنوبی ساحلی علاقوں خصوصاً المہرہ میں لوبان کے درخت بکثرت تھے۔ عسیر کی خاص پیداوار صمغ عربی اگوند تھی۔ صحرائی درختوں میں ببول کی مختلف

---

۴۸ الازمنۃ والامکنۃ ۲ : ۱۶۱ و ما بعد ۴۹ ارض القرآن ۱ : ۲۵۳ و ما بعد، القرآن سورۂ سبا آیت ۱۵۔

اقسام پائی جاتی تھیں جن میں سے بعض سے عمدہ قسم کا کوئلہ اور بعض سے اچھے قسم کی گوند حاصل ہوتی تھی۔ حجاز میں طائف اور اس میں قرب وجوار کا علاقہ جو سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلندی پر واقع ہے نہایت شاداب و زرخیز ہے۔ یہاں غلے کے علاوہ اعلیٰ قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں جن میں انجیر، زیتون، سیب، خوبانی، آلوچہ، ناشپاتی، سنترا، لیموں اور خربزہ شامل ہیں۔ طائف انگور کی کاشت کے لئے اور اس سے شراب سازی کے لئے بھی شہرت رکھتا تھا۔ یہاں پہاڑوں میں عمدہ شہد بھی پیدا ہوتا ہے۔ طائف کا گلاب دور دور مشہور تھا اور اہلِ مکہ کے استعمال میں آتا تھا۔ رؤسائے مکہ کے یہاں باغات تھے۔ عرب کے نخلستانوں کی خاص پیداوار کھجور ہے، مدینہ کے کھجور کے باغات بطور خاص مشہور تھے۔ یہاں کم وبیش سو قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں۔ اسی طرح عرب کے ساحلی علاقوں میں مچھلیوں اور موتیوں کے نکالے جانے کا بھی انتظام تھا جن میں حضرموت وعمان کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ مگر بحیثیت عرب کے غلے کی پیداوار مقامی آبادی کے لئے ناکافی تھی۔ اسی لئے شام وعراق کے تاجر حجاز کے شہروں میں غلے لاتے اور فروخت کرتے تھے اس کے علاوہ مقامی تاجر بھی یمن، یمامہ وعراق سے غلہ کا بیوپار کرتے تھے۔ ۵۰۔

صنعت وحرفت عربوں کو طبعاً صنعت وحرفت سے نفور تھا مگر ملک کے مختلف حصوں میں اس کا وجود تھا یمن میں پارچہ بافی کی صنعت قدیم سے تھی اور یمنی چادریں خاصی اہمیت کی مالک تھیں۔ اسی طرح طائف میں چمڑا کمانے کے کارخانے تھے اور اسے بلد الدباغ یعنی چمڑے پر دباغت کرنے والوں کا شہر کہا جاتا تھا۔ شراب کی کشید اور گلاب کے عطریات کی تیاری کے لئے بھی طائف کا شہر شہرت رکھتا تھا۔ جرش میں منجنیق تیار کی جاتی تھی یمن اور مشارف شام (عرب کے وہ علاقے جو سرحد شام پر واقع تھے) میں آہن گری کا نہایت عمدہ کام ہوتا تھا اور یہاں کی تلواریں مشہور تھیں۔ خود مکہ جو تاجروں کا شہر تھا صنعت وحرفت سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ بعض اشراف قریش تک بعض پیشوں سے منسلک تھے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص تیر تیار کرتے تھے۔ ابوجہل کا بھائی عاص بن ہشام اور حضرت خالد بن ولید کے باپ مغیرہ لوہار تھے۔ حضرت زبیر کے والد عوام اور عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ درزی کا کام کرتے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص کا باپ عاص بن وائل بیطاری تھا۔ اسی طرح مدینے کے بنو قینقاع زرگر تھے۔ ۵۱۔

۵۰۔ ارض القرآن ۲: ۱۳۰، ۱۳۳ و ۱۴۰ P. K. Hitti, History of the Arabs, New York, 1958, PP 17-22

۵۱۔ ارض القرآن ۲: ۱۳۱ والعقد والمعارف ص ۵۷۵، ۵۷۶۔

گلہ بانی صحرائے عرب کے خاص پالتو جانور بھیڑ بکریاں، اونٹ، گدھے اور گھوڑے تھے۔ عربوں کا بالعموم اور بدوی کا بالخصوص یہی پیشہ تھا۔ ان کی دولت کا انحصار انہیں مویشیوں پر تھا۔ عرب کے مال تجارت میں دیگر اشیاء کے ساتھ بھیڑ بکری اور گھوڑے بھی ہوتے تھے۔ بھیڑ بکری اور اونٹ بدوی کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی تھے ان کا دودھ اور گوشت اس کی خوراک، ان کا چمڑا اور اون اسی کا لباس اور اسی کا خیمہ تھے۔ چارے اور پانی کی تلاش میں برابر کوچ کرتے رہنا اور مستقل بستی بسا کر ایک جگہ نہ رہنا اس گلہ بانی کا سبب تھا مگر مستقل آبادیوں میں رہنے والوں کی دولت وثروت کا مدار بھی یہی جانور تھے۔ ۵۲

لوٹ مار عربوں خاص کر بدوی اور نیم حضری قبائل کی معیشت کا ایک ذریعہ لوٹ مار بھی تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو اور اجنبی کارروانوں کو لوٹ لیتا تھا۔ جس سے ان کی معاش کی ایک صورت نکل آیا کرتی تھی اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ان حملوں میں اور لڑائیوں میں لوگ مارے جاتے تھے جس سے آبادی کم ہوتی تھی اور ملک کی معیشت پر زیادہ آبادی کا بوجھ بھی کم پڑتا تھا۔ بہرکیف لوٹ مار بدوی اور نیم بدوی قبائل کے لئے معاش کا ایک اہم وسیلہ شمار ہوتا تھا۔ ۵۳

اسلام سے پہلے عربوں کے معاشرتی حالات

عرب کی آبادی کو طرز بود و ماند کے لحاظ سے دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک بدوی اور دوسرا حضری بدوی وہ گروہ ہے جو کسی مستقل آبادی میں نہیں رہتا، گلہ بانی پر اس کی معیشت کا دارومدار ہوتا ہے۔ اور چارے اور پانی کی تلاش میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی جانب کوچ کرتا رہتا ہے اس کے برعکس حضری وہ لوگ ہیں جو مستقل بستیوں میں رہتے ہیں۔ عرب جاہلیہ کی آبادی کا کم وبیش پانچواں حصہ مستقل آبادیوں میں اقامت پذیر تھا۔ ایسی بستیاں یمن اور جنوبی عرب میں بکثرت تھیں۔ لیکن وسطی اور شمالی عرب میں ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ حجاز میں مکہ، مدینہ اور طائف کے شہروں کے علاوہ خیبر، وادیٔ القریٰ، فدک وغیرہ ایسے

۵۲۔ History of the Arabs, PP 20 & 21

۵۳۔ History of the Arabs. PP 25-27

قصبات تھے جہاں مستقل بستیاں تھیں۔ مگر آبادی کی یہ تقسیم چنداں موثر نہ تھی۔ کیونکہ بدوی مستقل بستیوں میں بستے رہتے تھے اور جو لوگ ان بستیوں کے باسی تھے ان میں بھی بدوی خصائل موجود تھے۔ اس طور سے یہ آبادیاں بھی نیم بدوی و نیم حضری افراد پر مشتمل تھیں اور عام حالات میں بیرونی اثرات سے محفوظ تھیں۔ بدوی آبادی سے متعلق یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ عرب کا یہ بدو خانہ بدوش اور تنگی لگانے کا دلدادہ نہ تھا بلکہ معاشی ضروریات سے مجبور ہو کر زندگی کی سخت ترین جدوجہد میں وہ ایسے مقامات تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف رہتا تھا جہاں اسے اور اس کے مویشیوں کو جینے کا سہارا مل جائے[۱]۔ اس لئے جب کسی مقام کو کچھ دنوں قیام کے بعد معاشی مجبوریوں کے تحت چھوڑنا پڑتا تھا تو اس کے فراق پر وہ رنج و غم کے جذبات کا اظہار اپنے اشعار میں کرتا تھا اور اپنے چہیتوں کو ان ویران یادگاروں کا ذکر کر کے آنسو بہاتا تھا۔ عرب جاہلیت کے قصائد کا آغاز عموماً انہیں ویران بستیوں سے نوحہ خوانی سے ہوتا ہے[۲]۔

عرب کی اکثریت کا پیشہ گلہ بانی تھا۔ ان کی دولت اونٹ، بھیڑ، بکری اور گھوڑے سے عبارت تھی یہ وجہ معاش ان کی عام ضروریات کو اکتفاء نہ کرتی تھیں۔ اس لئے شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ جس سے روزی بھی ہاتھ آتی تھی اور سپاہیانہ جوہر کی آبیاری بھی ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے لوٹ مار ان کے لئے متبادل ذریعۂ معاش کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس تنگ معاش اور افلاس سے عربوں میں صبر و تحمل اور ناساز گار حالات میں زندگی گزارنے کا سلیقہ پیدا ہوا۔ اور جفاکشی، استقلال و سخت کوشی کے جذبات پروان چڑھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عربوں کی فطرت کو اونٹ سے مناسبت ہے اور جو آب و ہوا اونٹ کو راس آئے گی۔ وہی انہیں بھی موافق ہو گی[۳]۔ اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور ان کی بہن ہے[۴]۔ عربوں کی سیرت پر اونٹ کی جفاکشی تحمل اور بردباری کے اثرات نمایاں ہیں۔ اسی طرح کھجور جو صحرا کی انتہائی نامساعد آب و ہوا میں بھی سرسبز اور فطرت کی ستم ظریفیوں میں بھی زندہ رہتی ہے۔ عربوں کے کردار کی عکاسی کرتی ہے اسی کے ساتھ اگر بقول پروفیسر حطی ریگ[۵] زار عرب کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اونٹ

۱ے History of the Arabs, Page 23

۲ے مثلاً سبعۂ معلقہ کا پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا اور چھٹا قصیدہ وغیرہ۔

۳ے بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۷۵ مطبوعہ تجاریہ کبریٰ مصر ۱۹۵۹ء

۴ے سیوطی، حسن المحاضرہ ۲: ۲۵۵ مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ

۵ے History of the Arabs, P 24

کھجور اور ریگ ایسی تثلیث ہے جس سے عربوں کی سیرت و کردار کی تشکیل ہوتی ہے اور ان کے مطالعے کے بغیر عربوں کی سیرت کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔

عرب تنگی ترشی سے زندگی گزارنے کے باوجود سیرچشم، فیاض اور مہمان نواز تھے۔ وہ خود بھوکا رہنا گوارا کر لیتے تھے مگر مہمان کو شکم سیر دیکھنا چاہتے تھے۔ مہمان سے خندہ پیشانی سے ملنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسے بہت بڑی بداخلاقی خیال کیا جاتا تھا۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ آبادی کے باہر کسی بلند مقام پر رات کو آگ جلاتے تھے کہ کوئی گم کردہ راہ مسافر ادھر آنکلے تو اسے راہ مل جائے اور قبیلے کا مہمان بنے وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ رات کو آنے والے مسافروں کے لئے ان کی آگ کبھی نہیں بجھتی تھی اور برابر روشن رہتی ہے [1]

عربوں کی سیرت کا دوسرا نمایاں وصف یہ ہے، حق جوار (ہمسائیگی کے حق) کا لحاظ اور جسے پناہ دیدی اس کی حفاظت سے کسی حالت میں کنارہ کشی نہ کرنا۔ اگر جانی دشمن اور خون کا پیاسا بھی کسی کی پناہ میں آجائے تو اس کی حفاظت انفرادی اور قبائلی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ اس میں کبھی کبھی اتنا غلو کیا جاتا کہ وحشی جانوروں کو بھی پناہ دی جاتی تھی اور پھر ان کا شکار کرنا گویا پناہ دہندہ سے جنگ کا خطرہ مول لینا ہوتا تھا۔ ایسے بھی واقعات ملتے ہیں کہ اگر کسی موذی جانور کو ملنے کے لئے کھدیڑا گیا اور اس نے کسی کے خیمے میں پناہ لے لی تو پھر اسے مارنا صاحب خیمہ سے برسرپیکار ہونے کے مترادف ہوتا تھا [1]

عرب کے کردار کا ایک پہلو ایفائے عہد بھی تھا۔ وعدے کو پورا کرنا اور قول دے کر اس پر جمے رہنا اس کی فطرت ثانیہ تھا۔ ایسے واقعات نادر الوقوع نہیں کہ ایفائے وعدہ کی خاطر اپنی یا اپنے عزیزوں کی جان سے ہاتھ دھونا پڑا یا بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانا پڑا۔ عرب جاہلیہ میں کتنے ایسے اشخاص گزرے ہیں جنھوں نے ایفائے عہد میں نام پیدا کیا۔ حجاز کے یہودی سردار سموال بن عادیا کو جو تیماء میں الابلق الفرد نامی قلعہ کا مالک تھا اور وفائے عہد میں ضرب المثل ہے اس لئے شہرت حاصل ہے کہ اس نے بیٹے کو قربان کر دیا مگر بدعہدی نہ کی۔ اسی طرح ذی قار کی جنگ بھی اسی لئے ہوئی کہ بنی بکر کے سردار ہانی نے بدعہدی کرنے سے انکار کر دیا تھا [3]

---

[1] ابو تمام طائی، الحماسہ مطبوعہ جالیہ مصر ۱۹۱۶ء ۱: ۲۹ (سموال بن عادیا کا یہ شعر: وما اُخمدت نارٌ لنا دون طارق ولا ذمّنا فی النازلین نزیلُ) ہے ۱: ۲۷ و NICHOLSON, A LITERARY HISTORY OF THE ARABS، 1969. PAGE 89 والمختصر فی اخبار البشر، ۱: ۷۱، و الجاحظ، المحاسن والاضداد، مطبوعہ تجاریہ کبریٰ (فکیہہ کا واقعہ) مصر ۱۹۳۲ء ص ۵۳ والعبد۔ [2] المحاسن والاضداد ص ۵۴ و ۵۵ والکامل ۱: ۲۵۵ - ۲۹۱ -

صحرا کی آزاد فضا میں پرورش پانے والے عرب خود داری اور عزت نفس کی صفات سے بھی بہرہ مند تھے ان کی گردنیں بڑے بڑے جابر گردن کش حکمرانوں کے سامنے نہ جھکیں اور ذلت کے ہلکے سے احساس سے بھی ان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی تھی اور سر دھڑ کی بازی لگانے سے کوئی چیز انھیں روک نہ سکتی تھی۔ حیرہ کے عجمی امراء کے دربار میں حاضری دینے والے عرب اگر ان میں سے طرز عمل میں کسی توہین کا پہلو پاتے تو مرنے مارنے کے لئے تل جاتے تھے۔ چنانچہ مشہور عجمی حکمران عمرو بن ہند کو اپنے اسی طرز عمل کی پاداش میں، جس سے ایک عرب سردار عمرو بن کلثوم کی ماں کی ذلت کا پہلو نکلتا تھا، جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ عربوں کی تاریخ میں یہ کوئی نادر الوقوع واقعہ نہیں ہے۔[1]

عربوں کی فطرت کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ وہ مساوات کے دلدادہ تھے اور قبیلے کے تمام افراد دولت و ثروت کے امتیاز کے بغیر مساوی سمجھے جاتے تھے۔ سب عزت دار تھے اور کسی کے مقابلے میں ان کی حیثیت پست نہ تھی۔ شیخ قبیلہ جو بزرگ خاندان کے بمنزلہ ہوتا تھا، یقیناً مطاع اور قابل احترام تھا مگر قبیلے کے دوسرے افراد سے برتر نہ تھا۔[2]

شعر و شاعری عربوں کی زندگی کا لازمی جزو تھی۔ کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں متعدد اچھے شاعر موجود نہ ہوں۔ شاعر اپنے قبیلے کا قومی مورخ تھا جو قبائلی روایات کو شعر کے قالب میں ڈھال کر محفوظ کر دیتا تھا شاعر اپنے قبیلے کا ترجمان تھا اس کی عزت و شرف کا نگہبان تھا اور اس کے فخر و مباہات کا ذریعہ، قومی جوش ابھارنے میں، ذلت و رسوائی سے بچانے میں اور دشمنوں کی ہجو میں اس کی زبان نوک خنجر سے زیادہ تیز، اس کے اشعار تلوار سے زیادہ براں اور اس کے الفاظ تیر سے زیادہ دلوں میں چبھ جانے والے ہوتے تھے۔ عرب جاہلیت کے اشعار اس کی قومی تاریخ ہیں۔ عربوں کے اخلاق، کردار اور سیرت کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھنی ہوں تو ان کے اشعار کا مطالعہ کیجئے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ 'الشعر دیوان العرب'۔[3]

شعر و شاعری کے بعد خطابت کا درجہ تھا۔ خطیب اپنے شعلہ بار الفاظ سے بجھے ہوئے دلوں کو گرما دیتے تھے اور اپنی پند و موعظت کی باتوں سے دنیا کی بے ثباتی کے نقشے کھینچ دیتے تھے عرب جاہلیت کے بیشتر خطبات

---

[1] A Literary History of Arabs PP. 109.110

[2] History of the Arabs P 28

[3] History of the Arabs P 95 واحمد امین، فجر الاسلام مطبوعہ النہضۃ المصریہ ۱۹۶۵ء ص ۵۷۔

زمانہ کی دست و برد سے محفوظ نہ رہے اور جو رہے بھی ان کی اکثریت عباسی دور کے وضاعین کی دسیسہ کاری کا نتیجہ ہیں۔ مگر پھر بھی قس بن کاعدہ ایادی وغیرہ کے برجستہ جستہ فقرے محفوظ رہ گئے ہیں آج بھی کم اثرانگیز نہیں ہیں۔ [1]

عربوں کے کردار کا نمایاں عنصر ان کی انفرادیت تھا۔ ان کی وفاداری کا دائرہ ان کی ذات، ان کے خاندان اور قبیلے تک محدود ہوتا تھا۔ کوئی اجتماعی تصور اور ملی شعور ان میں موجود نہ تھا۔ اسی لئے قبائلی عصبیت انھیں معمولی معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑے پر اکساتی رہتی تھی۔ اور بات بات پر لڑمرنا ان کا قومی شعار بن چکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک طویل اور نختم جنگ کا سلسلہ تھا جو پشتہا پشت تک جاری رہتا تھا اور جس کی لپیٹ میں آکر ملک کا امن وامان تہہ وبالا ہوجاتا تھا اور ملی وحدت کا دامن تار تار ہوکر رہ جاتا تھا۔

لوٹ مار جسے بہادری کی علامت اور قبائلی فخر ومباہات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ مزید انتشار اور بدنظمی کا باعث تھی۔ غافل دشمن پر ٹوٹ پڑنا آناً فاناً اسے زندگی کی نعمتوں، اونٹ، بھیڑ بکری، زر زن و زمین، سے محروم کردینا، اور پھر اس پر فخر کرنا روزمرہ کی بات اور زندگی کے معمولات میں محسوب ہوتے تھے۔

بے جا قبائلی غرور، کبر و نخوت اور ہم چوں من دیگرے نیست کا جذبہ عداوتوں اور دشمنیوں کو دیرینہ اور پختہ کرنے میں سب سے زیادہ معاون و مدثابت ہوتا تھا۔ دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھنے اور انھیں مدمقابل نہ گردانے کا جذبہ مضحکہ خیز حد تک اور حماقت کی سطح تک پہنچ جاتا تھا۔ یہ بات دلچسپی کی ہوگی کہ بنو ربیعہ کا مشہور سردار کلیب اپنے دشمن جساس کے ہاتھوں صرف اس لئے مارا گیا کہ وہ اسے اپنا مدمقابل نہ سمجھتا تھا اور جب جساس نے اس کے پیچھے آکر اسے للکارا تو اس نے مڑے بغیر جواب دیا کہ سامنے آکر بات کرے کہ مڑکر اس کی جانب دیکھنا کلیب کے خیال میں توہین کی بات تھی۔ اسی توہین کے احساس نے اسے مڑکر دیکھنے سے باز رکھا اور دشمن کا برچھا اس کے سینے کے پار ہوگیا۔ جنگ بدر کا یہ واقعہ تو ہم سب کے علم میں ہے کہ جب ابوجہل دو انصاری نوجوانوں کے وار سے زخمی ہوکر مرنے لگا تو یہ جان کر کہ اس کے قاتل مدینے کے کسان ہیں اسے مرنے سے زیادہ اس ذلت کا صدمہ ہوا۔ [2]

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۳۴ [2] حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلامی السیاسی، ۱: ۵۴ مطبوعہ النہضۃ المصریہ ۱۹۵۶ء و امام بخاری، الصحیح ۲: ۵۷۳، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ

جذبہ انتقام جس کی بنیاد قبائلی عصبیت پر تھی باپ سے بیٹے اور بیٹے سے اس کے بیٹے کو خون کا بدلہ لینے پر اکساتا رہتا تھا۔ مقتول کا بدلہ لینا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اس میں قاتل کی شرط نہ تھی۔ اس کے قبیلے کے کسی بے گناہ شخص کو بھی مار کر مقتول کے خون کا انتقام لیا جا سکتا تھا یہ انتقام جسے ثار کہتے تھے عداوت و نفرت کی ایسی فضاء قائم کر دیتا تھا جو کئی پشتوں تک باقی رہتی تھی۔ اس سلسلے میں قیس بن خطیم کا واقعہ ذہن میں رکھنے کے قابل ہے جس کی ماں نے اس سے یہ بات چھپائی تھی کہ اس کا باپ خطیم اور دادا عدی دشمنوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور اپنے صحن میں ان کی فرضی قبریں بنا رکھی تھیں مگر جب قیس کو حقیقت حال کا علم ہوا تو اس نے باپ دادا کے قاتلوں کے خاندان سے بدلہ چکایا اور فخریہ اشعار لکھے جو ابو تمام کی حماسہ میں آج تک محفوظ ہیں[1]

عربوں میں شراب نوشی عام تھی اور بہت حضرات ایسے تھے جو اس لعنت سے محفوظ تھے۔ شراب پی کر لڑنا جھگڑنا اور بد اخلاقیوں کا ارتکاب کرنا آئے دن کی باتیں تھیں، جو شراب کی محفلیں جمتیں تھیں ان کے ذکر سے عرب اشعار بھرے پڑے ہیں[2]

شراب کے ساتھ قمار بازی (جوئے) کی لعنت بھی عام تھی اور بڑی بڑی شرطیں بدی جاتی تھیں اسی طرح گھڑ دوڑ میں بھی شرطیں بدی جاتی تھیں۔ بتوں سے بھی استخارہ کیا جاتا تھا اور فال کے تیر نکالے جاتے تھے۔[3]

معاشرے میں عورت کو نمایاں مقام حاصل تھا اور جس طرح لوگ اپنے باپ پر فخر کرتے تھے ماں پر بھی فخر کرتے تھے۔ بعض قبائلی تقسیمیں باپ کے بجائے ماں سے منسوب تھیں۔ مثلاً مضر کی وہ شاخ جو قریش، کنانہ، ہذیل، اسد اور تمیم پر مشتمل تھی ماں کی نسبت سے بنو خندف کہلاتی تھی۔ ایسی عورتوں کو جو کثیر العیال ہوں دوسری عورتوں پر یک گونہ تفوق حاصل ہوتا تھا۔ عورتوں سے خاندان کے معاملات میں مشورے کئے جاتے تھے اور ان کی رائے کو وقعت دی جاتی تھی۔ اس طرح بعض خواتین نکاح سے پہلے اپنے شوہروں سے حق طلاق حاصل کرتی تھیں۔ عورتوں کو کاربار تجارت کا بھی حق حاصل تھا۔ بعض اوقات لڑکیوں سے شادی بیاہ کے وقت مشورہ بھی لیا جاتا تھا۔ نکاح کا جو طریقہ عرب میں عام طور سے رائج تھا وہ یہ تھا کہ عورت کے گھر والوں کو پیغام دیا

---

[1] حماسہ ۱: ۴۸، ۵۰ [2] مثلاً واقعہ برج بن مسہر الطائی ۱: ۲۱۰ و ۲۱۱

[3] تاریخ الاسلام السیاسی ۱: ۶۴ و ۶۵ بالسیرت النبویۃ ۱: ۱۶۰ و ۱۶۱ سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ ۴: ۲۸۳ مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء۔

جاتا اور منظوری کی صورت میں نکاح کردیا جاتا تھا۔ طلاق کا حق عموماً مردوں کو ہوتا تھا۔ عورت مہر کی بھی حقدار تھی۔ بعض حالات میں مرد طلاق کو معلق کردیتے تھے اور نہ تو مہر ادا کرتے تھے نہ عورت کو دوسری شادی کرنے دیتے تھے لیکن ایسے واقعات کم ہی ہوتے تھے ایک سے زیادہ شادی کا رواج تھا اور عورتوں کی تعداد پر پابندی نہ تھی، اسی طرح بعض قبائل میں عورات کی بھی پابندی نہ کی جاتی تھی۔ نکاح کے بعد ناشائستہ طریقے بھی رائج تھے مگر انھیں عام طور سے اچھا نہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض قبائل خصوصاً بنواسد اور تمیم میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دینے کی بری رسم بھی تھی۔ بعض قبائل ناداری کے خوف سے بچوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس کی سختی سے مخالفت کی اور ایسا کرنے والوں کو عذاب کی وعید دی۔ سوتیلی ماؤں سے نکاح کے اکا دکا واقعے بھی ملتے ہیں اور ایسے نکاح کو نکاح المقت (حرام نکاح) کہتے تھے اور اسے بالعموم نہایت معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ رسم رائج و شائع تھی اور اسے عمومیت حاصل تھی[1]

معاشرے کی وحدت قبیلہ تھا جس کی متعدد ذیلی شاخیں تھیں۔ ہر قبیلے میں دو قسم کے افراد ہوتے تھے، ایک صریح یعنی ایسے افراد جو آپس میں خون کے رشتے میں منسلک ہوتے تھے اور قبیلے سے ان کا تعلق نسب و نسل کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے تھے جو غیر صریح کہلاتے تھے یعنی قبیلے سے ان کے تعلق کی نوعیت کسی معاہدے یا موالات کی ہوتی تھی۔ دوسرے قبیلے کے افراد جو کسی اجنبی قبیلے کے ساتھ رہ پڑتے تھے حلیف اور آزاد شدہ غلام مولی کی حیثیت سے قبیلے کے غیر صریح افراد شمار ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے حقوق صریح افراد سے کم ہوتے تھے اور ان کی دیت بھی صریح کی دیت کی نصف ہوتی تھی قبیلے میں آزاد افراد کے علاوہ غلاموں کی خاصی تعداد بھی ہوتی تھی۔ لڑائیوں میں پکڑے ہوئے، اغوا کئے ہوئے اور خریدے ہوئے افراد (مرد و زن) اس طبقے میں شامل ہوتے تھے اور انھیں عموماً معاشرے میں سب سے ذلیل سمجھا جاتا تھا ہر قسم کی محنت و مشقت ان کا مقدر ہوتی تھی[2]

شہروں میں پختہ مکانات بھی ہوتے تھے اور کچے بھی، مدینے میں کئی کئی منزلوں کے مکانات ہوتے تھے بعض تو قلعے کی صورت کے ہوتے تھے اور اطم کہلاتے تھے مگر بیشتر شہر کے باہر جھونپڑیاں بھی تھیں جن میں وہ لوگ ہوتے تھے جن کا تعلق قبیلۂ قریش سے نہیں۔ نصبات اور غیر مستقل بستیوں میں اون اور چمڑے کے خیمے ہوتے تھے اور وہی رہائش کا کام دیتے تھے۔ حجاز میں تیماء، خیبر، مدینہ وغیرہ میں یہود کے قلعے تھے جن میں ان کی مجموعی بستیاں تھیں[3]

---

[1] تاریخ الاسلام، السیاسی ۱: ۶۴ و ۶۵، سیرت النبی ۴: ۲۹۶، المعارف ص ۱۱۲، ۱۱۳، حماسہ ۱: ۶۹ [2] تاریخ التمدن الاسلامی ۴: ۲۳ و مابعد [3] محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ (ترجمہ، اردو ابو یحییٰ امام خان نوشہروی) مطبوعہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۵ء ص ۲۳۷ و مابعد و ارض القرآن ۲: ۹۸، ۹۹ و ۱۰۳ و سیرۃ النبیؐ ۱: ۲۵۸ و ۲۶۰۔